بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

قرآن مجید کو از اول تا آخر غور سے پڑھئے اور پھر سوچئے کہ قرآن نے اسلام کی طرف دعوت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ کس چیز پر زور دیا اور بار بار کس چیز کا ذکر کیا ہے۔ اس مادی زندگی کی فلاح و بہبود اور یہاں کی کامرانی و کامیابی کا یا آخرت کی شادکامی اور عالم اخروی کی نجات و کامگاری کا۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن نے اللہ کے عباد صالحوں کے لئے وراثت ارضی کا وعدہ کیا ہے اور ان کو استخلاف و تمکن علی الارض کی بشارت بھی سنائی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کا ذکر قرآن نے مقصود بالذات اور ایمان و اعمال صالحہ کی اصلی غرض و غایت کی حیثیت سے کیا ہے یا محض ایک انعام و اکرام کی حیثیت سے۔

کوئی ایک شخص بھی جس نے قرآن کا مطالعہ عقل سلیم کی روشنی میں کیا ہے اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مملکتی اقتدار۔ زمین کی بادشاہت اور سلطنت و حکومت ان سب کو صرف ایک انعام الٰہی کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے ورنہ ایک مومن کا نقطۂ نظر ان سے بہت اونچا ہے وہ کبھی ان کو مقصود بالذات نہیں بنا سکتا۔ اصل مقصود ہے خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا۔ آخرت کے لئے فوز و فلاح کا سامان کرنا اور آئندہ آنیوالی زندگی میں روح کو دائمی عذاب سے محفوظ رکھنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تبلیغ کا جائزہ لیجئے تو یہاں بھی یہی چیز پائیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے ہوئے اس پر زور نہیں دیا کہ تم مسلمان ہو جاؤ تو دنیا کے خزانے تمہارے قبضہ میں آجائیں گے۔ اور زمین کی بادشاہت اور مملکت کی حکمرانی تم کو حاصل ہو جائے گی، بلکہ آپ نے ہمیشہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا، محض اللہ کے لئے۔ بشارتیں آپ نے سنائیں تو

نعیم اخروی کی۔ اور آپ نے خوف دلایا بھی تو عذاب جہنم سے۔

دوسرے لفظوں میں ہم اس کی تعبیر اس طرح کر سکتے ہیں کہ اسلام نے قدرت کے قانون مکافاتِ عمل پر سب سے زیادہ زور دیا ہے یعنی اس نے بتایا ہے کہ اچھے عمل کا بدلہ اچھا ہوگا اور برے عمل کا بدلہ برا ہوگا۔ انسان اس دنیا میں جیسا کچھ کرے گا اس کا ثواب و عقاب اس کو دوسری دنیا میں ملیگا اور قدرت کے اس قانون مکافات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اچھے اعمال و افعال کرنا اور اپنی روح اور باطن کو خیال و ارادہ کی گندگیوں سے بچائے رکھنا یہی درحقیقت تقویٰ و طہارت ہے۔ اور یہی ایمان اور عملِ صالح ہے۔

بہرحال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام نے جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے وہ حیاتِ اخروی ہے۔ اس دنیا کی زندگی کو اس نے صرف مزرعہ آخرت کہا ہے اور اسے ہر شخص جانتا ہے کہ کھیت میں بیج بونا، ہل چلانا اور کاشت کرنا یہ سب چیزیں وسیلہ اور ذریعہ ہوتی ہیں کسی اور اہم چیز کے لئے۔ بذاتِ خود کسان کا مقصد نہیں ہوتیں۔

یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ آج انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کے خاص خاص اداروں اور تعلیم گاہوں میں بھی گذشتہ زمانہ کے "اسلامزم کی طرف عود کرنے کی تحریک روز بروز زور پکڑتی جارہی ہے۔ جو طبقہ کل تک شعائرِ اسلام کا مسخر کرنے کے لئے بدنام تھا اور جس کو مغرب کے سامری نے تمدنِ جدید کے عجلِ زریں کے سامنے سرافگن کر دیا تھا۔ آج اسی طبقہ کے نوجوانوں میں خلافتِ راشدہ کے عہدِ مبارک کو واپس لانے کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ اس مقصد کے لئے انجمنیں اور جماعتیں بن رہی ہیں ان جماعتوں کے منشور شائع ہو رہے ہیں اور ان جماعتوں کے حلقوں کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش ہو رہی ہیں۔ ہمارے اس طبقہ کا یہ ذہنی اور فکری انقلاب نہایت مبارک اور خوش آئند ہے۔ اور خواہ اس کے اسباب کچھ ہی ہوں بہرحال ہم سب کو اس پر خوش ہونا چاہئے۔

لیکن اس موقع پر ہم یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلام کی طرف رغبت اور میلان کے بنیادی دواعی وہی ہونے چاہئیں جن کا ذکر قرآن میں ہے اور جن کی بنا پر خیر القرون میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کی جاتی رہی ہے اس تنبیہ کی ضرورت اس لئے پیش آرہی ہے کہ آج اسلام کے احکام پر عامل ہونے کی جن دلفریب عنوانات کے ماتحت دعوت دی جارہی ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر ان عنوانات کو ایک مقصد کی حیثیت سے پیش کیا گیا تو کہیں اسلام کی اصل حقیقت گم نہ ہوجائے کہیں حکومت و سلطنت کا دلفریب تصور ہے اور کہیں افلاس اور غریبی سے نجات پالینے کا واحد ذریعہ اسلام کو بتایا جارہا ہے۔ ہم کہتے ہیں اپنی اپنی جگہ پر یہ سب دعاوی درست اور ناقابل شک ہیں۔ مسلمان جس دن سچے اور پکے مسلمان بن جائیں گے تو خدا اپنے وعدہ کے مطابق ان کو نہ حکومت سے محروم رکھیگا اور نہ اقتصادی اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں ان کی حالت کو پست اور زبوں ہونے دیگا۔ لیکن ہماری جدوجہد اور اسلامی دعوت و تبلیغ کا منتہائے نظر اور اس کا مقصد اساسی یہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں مسلمان صرف اس لئے ہونا چاہیے کہ اسلام کے بغیر ہم اللہ کی رضا کو حاصل نہیں کرسکتے اور ہماری روح کو اس سے الگ رہ کر دائمی سکون و اطمینان میسر نہیں آسکتا۔

آپ ذرا غور کیجئے۔ بات معمولی سی ہے لیکن دونوں میں مآل اور نتیجہ کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو نوجوان آج "حکومتِ الٰہیہ" کا نعرہ سب سے زیادہ زور شور اور بلند آہنگی کے ساتھ لگا رہے ہیں۔ جب ہم خود ان کے دینی اعمال و افعال اور مذہبی جذبات و احساسات کا جائزہ لیتے ہیں تو قول و عمل میں بہت کم مطابقت نظر آتی ہے۔ اس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ یہ لوگ اسلام، اسلام پکار رہے ہیں حکومتِ الٰہیہ کا نعرہ لگاتے ہوئے ان کے گلے بیٹھے جاتے ہیں۔ لیکن اسلام کے حقیقی آئیڈیل کے احساس و اعتقاد سے ابھی یہ کافی دور ہیں۔ انھوں نے اسلام کو صرف ایک سیاسی یا تمدنی تحریک سمجھا ہے اور بس! یہ طریقہ نہایت غلط ہے۔ اسلام کو اسی رنگ میں پیش کرنا اور دیکھنا چاہیے جس رنگ میں اس کو قرآن نے پیش کیا ہے۔